TPM Vol. 32, No.1, 2025
ISSN: 1972-6325
https://www.tpmap.org/

Open Access

ALLAMA IQBAL'S THEORY OF ART (POETRY) AND JALIL AALI'S INTERPRETATIONS

GULNAZ AZIM BHATTI
LECTURER, ISLAMABAD, MODEL COLLEGE FOR GIRLS, F-74, ISLAMABAD

DR. SHER ALI
CHAIRMAN DEPARTMENT OF URDU, ALHAMAD ISLAMIC UNIVERSITY, ISLAMABAD

DR. SHAZIA AKBAR
ASSISTANT PROFESSOR, DEPARTMENT OF URDU, ALHAMAD ISLAMIC UNIVERSITY, ISLAMABAD

DR. SUMAIRA LIAQAT
LECTURER, DEPARTMENT OF URDU, FEDERAL UNIVERSITY OF ARTS, SCIENCE AND TECHNOLOGY, ISLAMABAD

ABSTRACT
The primary objective of art, according to Allama Muhammad Iqbal, is not "Art for Art's sake" but "Art for Life's sake." He rejects poetry that merely serves as a means of auditory pleasure, lulling humans into a slumber of negligence and making them indolent. For Iqbal, a poet is not someone cut off from society—a secluded spectator—but rather a "seeing eye" of the nation. The purpose of art is to give a voice to silent lips and to infuse eternal warmth and life into dead hearts. Allama Iqbal defines true beauty as that which creates a "storm" within a human being. According to him, a true poet's work possesses "blood of the heart" (khoon-e-jigar), profound empathy, and the impact of a warm breath (nafas-e-garam). He evaluates poetry based on the criteria of "profit and loss" (sood-o-ziyan)—asking whether the work benefited the nation or caused harm, and whether it performed a miracle or provided a transformative principle for the world.
Jalil Aali, while explaining this theory of art, considers the poet to be the "protector of the nation." According to him, Iqbal's art is alive and dynamic; he views Iqbal's literature as "pro-life" (Sood-mandi) literature. In his view, Iqbal's art does not merely draw strength from its historical roots or engage in mere imitation; instead, it calls for creativity. He believes Iqbal is not just a poet of the past but a contemporary who harmonizes ancient principles with modern demands. He argues that the foundation of Iqbal's art is Love (Ishq) and Action, a quality that distinguishes Iqbal from other poets and elevates him to a "prophetic" (paighambar-ana) stature.
Iqbal's art is not a mere play of words; it is a mission of love and awakening. Following Jalil Aali's interpretation, art is the guardian of a nation's civilization and a living tradition that transforms a people into "Shaheen".
KEYWORDS: Allama Muhammad Iqbal, Jalil Aali, "Art for Art', Art for Life, "seeing eye", (khoon-e-jigar), (Sood-mandi), (Ishq), (paighambar-ana),

علامہ محمد اقبال کے نزدیک فن محض جمالیاتی آرائش یا تفنن طبع کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حصول اور انسانی خودی کی تعمیر کا اک افعال اور متحرک ذریعہ ہے ۔ اقبال اس"فن برائے زندگی" کے علم بردار ہیں جو فرد و قوم میں بیداری ، عزم اور حرارت عمل پیدا کرے ۔ ان کے ہاں فن کی قدرو قیمت اس کی افادیت اور زندگی کے ساتھ اس کی نامیاتی وابستگی سے متعین ہوتی ہے ۔ اقبال کا یہ نظریہ فن دراصل ان کے فلسفہ خودی کا لازمی جزو ہے جس کے تحت وہ شاعر کو دیدہ بینائے قوم قرار دیتے ہیں ۔
جلیل عالی نے اقبال کے اس مقصدی نظریہ فن کو عصری تناظر میں ایک نئی تنقیدی جہت اور فکری گہرائی عطا کی ہے ۔ ان کے نزدیک اقبال کی فنی تعبیرات محض روایتی تشریحات تک محدود نہیں بلکہ وہ اسے ایک ایسی تخلیقی وجودیت کے طو ر پر دیکھتے ہیں جہاں فن کار اپنی تہذیبی جڑوں اور داخلی صداقتوں سے جڑ کر کائنات کے سربستہ رازوں کا سامنا کرتا ہے ۔ جلیل عالی کا تنقیدی اسلوب اس نکتے پر اصرار کرتا ہے کہ معتبر فن وہی ہے جس کے پس پشت ایک ٹھوس فکری بنیاد اور خونِ جگر کی تپش موجود ہو ۔

علامہ اقبال ''فن برائے زندگی '' کے قائل تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تصور فن میں مقصود کی بلندی کا درس ملتا ہے ۔ اس ضمن میں وہ کیپٹن منظور حسین کو خط میں لکھتے ہیں:

''میرا مقصود شاعری سے شاعری نہیں بلکہ یہ کہ اوروں کے دلوں میں بھی وہی خیالات موجزن ہو جائیں جو میرے دل میں ہیں اور بس ۔''[1]

مولانا غلام قادر گرامی کے نام ایک خط میں تحریر کرتے ہیں :

''میرا مقصد کچھ شاعری نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ احساس ملیہ پیدا ہو جائے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا خاصہ تھا ۔ کیا عجب کہ نبی کریم ﷺ کو میری یہ کوشش پسند آ جائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ نجات ہو جائے۔''[2]

مولو ی عزیز الدین احمد عظامی کے نام لکھتے ہیں:

''ا س سے مقصود شاعری نہ تھی بلکہ بعض مسائل کی توضیح تھی جس کو ملت اسلامیہ تک پہنچانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں ، ورنہ غزل اور قصیدے سے مجھے سروکار نہیں ۔ ''[3]

علامہ اقبال فن کی تخلیق میں چھپی ریاضت اور درد کے حوالے سے مولانا گرامی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''جہاں اچھا شعر دیکھو ، سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے ۔ اچھے خیال کا پیدا کرنا اور وں کے لیے کفارہ ہونا ہے۔ ''(4)

سید سلیمان ندوی کو خط میں لکھتے ہیں:

''فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی ہاں بعض خاص مقاصد کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ :

نہ بینی خیر ازاں مرد فرد دست
کہ برمن تہمت شعر و سخن بست ''[5]

اقبال کے نظریہ فن مقصدیت پر مبنی ہے ۔ وہ فن کو زندگی کے تابع رکھتے ہیں اور اسے خودی کو بیداری ، ملی اتحاد اور حق کی تبلیغ کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے قائل ہیں ۔ ان کے نزدیک وہ فن بے کار ہے جو انسان میں عمل کی تحریک پیدا نہ کر سکے ۔

علامہ اقبال نے انہی تصورات کا اظہار اپنی اردو اور فارسی شاعری میں بھی کیا ہے:

نغمہ کجا ومن کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطارمی کشم ناقہ بے زمام را[6]

ترجمہ: میرا مقصد صرف نغمہ سرائی یا شاعری نہیں ، یہ ساز سخن تو محض ایک بہانہ ہے ۔ میں تو اس شاعری کے ذریعے اس قوم (بے مہار اونٹنی) کو واپس قطار میں لانا چاہتا ہوں۔

میری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی
کہ بانگ صور ہے اسرافیل دل نواز نہیں[7]

گویا اقبال کے نزدیک فن یا شاعری محض تفریح یا فن برائے فن نہیں بلکہ ان کا تصور فن سوزدروں، انقلابی قوت بیداری ، خودی اور مقصدیت کا حامل ہے ۔

جلیل عالی کے نزدیک کوئی بھی فن پارہ اپنی تہذیبی اور فکری روایت سے کٹ کر اپنی اصل معنویت واضح نہیں کر سکتا ۔ ان کے خیال میں فن محض لفظی بازی گری نہیں بلکہ ایک مخصوص تہذیبی پس منظر کا باعث ہوتا ہے۔

جلیل عالی کا تصور فن تہذیبی جڑوں سے وابستگی، فکری نظام، اقتدار کی پاسداری اور تخلیقی واردات کی کثیر الجہت پیشکش کا نام ہے۔ وہ فن کو محض جمالیاتی مشق نہیں بلکہ انسانی وجود اور کائنات کے باہمی رشتے کی جمالیاتی مشق ایک گہری تعبیر مانتے ہیں۔

جلیل عالی کے نزدیک علامہ اقبال وہ پہلے بڑے شاعر ہیں جنہوں نے اردو غزل و نظم کو محض روایتی مضامین سے نکال کر عصری شعور اور آفاقی افکار سے ہم آہنگ کیا۔ وہ اقبال کی شعری دانش کو ایک ایسی تخلیقی واردات قرار دیتے ہیں جو ماضی کی تہذیب سے جڑی ہونے کے باوجود مستقبل کا راستہ دکھاتی ہے۔

جلیل عالی اپنے مضمون ''ندیم کی شعری واردات کی معنوی جہتیں'' میں لکھتے ہیں:

''اللہ کا عطا کردہ جذبہ خیر نہ صرف ہمارے اندر جاری نیکی و بدی کی کش مکش میں ہمیں کمزوریوں پر غلبہ پانا سکھاتا ہے بلکہ سیاسی و معاشرتی ظلم و جبر میں سچ کی گواہی دینے اور شر کے خلاف مزاحمت پر ابھارتا ہے ۔ اس سے ہماری تخلیقی وفنی دنیا میں '' شاعر جزوسیت از پیغمبری'' کے نصب العین کو اہمیت حاصل ہوتی ہے ۔ اقبال کے اخلاقی و روحانی نظریہ فن کے پیچھے یہی تصور کارفرما ہے جو شعر رنگین نوا کو دیدۂ بینائے قوم بناتا اور شرق و مغرب سے بیزار ہوئے بغیر ہر شب کو سحر کرنے کا عزم اور ارادہ بیدار کرتا ہے ۔ ''(8)

جلیل عالی فن پارے میں ضرورت سے زیادہ تفصیل کے قائل نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ فن کار کا یہ کمال ہے کہ وہ کم سے کم الفاظ میں بڑی بات کہہ جائے ۔

اس ضمن میں وہ اپنے مضمون ''منیر نیازی ، پورا شاعر'' میں بیان کرتے ہیں:

''منیر نیازی کفایت لفظی کا بادشاہ ہے ۔ وہ اپنے شعری تجربے کی گھمبیرتا کو غیر ضروری تفصیلات سے مجروح نہیں کرتا ۔ تھوڑا کہہ کر قاری کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لینا اس کا ملکۂ خاص ہے ۔ اختصا ر کے لیے عام طور پر بھاری بھرکم ادت اور نامانوس الفاظ و تراکیب سے کام لیا جاتا ہے ۔ جس سے بیان مشکل اور بعض اوقات گنجلک ہوجاتا ہے۔''[9]

اُسی پہ بھید غزل کھولتی ہے کچھ اپنے
سخن جو کر سکے تہہ دار و مختصر کوئی[10]

پڑھے جو اس نے کبھی نقطہ نظر سے مرے
بہت رہیں گے یہی لفظ مختصر سے میرے[11]

کھلے ہر ذہن میں باب معانی
زباں پہ کوئی ایسا اسم لائیں[12]

شعری عظمت کےا عتراف کے ضمن میں جلیل عالی اپنے ایک مضمون" ایک خلاق دانشور شاعر" میں تحریر کرتے ہیں:
" شعر و فن کے بغیر انسانی زندگی بےروح ہو کر رہ جاتی ہے ۔"[13]
جلیل عالی فن کو محض لفظوں کی بازی گری یا کتابی علم کی نمائش نہیں سمجھتے ۔ وہ کتابی شاعر ہونے کے بھی خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک سچا فنکار وہ ہے جو اپنے زندہ وجودی تجربے کے کرب کو محسوس کرے اور اسے تخلیق میں ڈھالے ۔ فن کا مقصد بنے بنائے فلسفوں کی تکرار نہیں بلکہ اپنی ذات اور کائنات سے ابھرنے والے سوالات کا سامنا کرنا ہے۔
جلیل عالی کے نزدیک ایک سچے فنکار کی پہچان اس کا دانشور شاعر ہونا ہے۔ وہ فن کو محض جذبات کا اظہار نہیں سمجھتے بلکہ ایک جانکاہ سفر قرار دیتے ہیں جہاں شاعر شعور کی منزلیں طے کرتا ہے۔ وہ فنکار اسے سمجھتے ہیں جو کہ مشترک انسانی سوالات کے باوجود اپنا الگ زاویہ اور اظہار رکھتا ہو۔
جلیل عالی مزید لکھتے ہیں:
"ہر شاعر کی شعری صلاحیت کی اپنی حدود ہوتی ہے جونہی وہ معانی و مطالب کے مخصوص دائرے سےآگے بڑھتا ہے ۔ اس کی شعریت پھیکی پڑنے لگتی ہے۔ چنانچہ سمجھ دار شاعر اپنے دائرہ شعر سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں اور اس سے باہر نکلنے کی مہم جوئی نہیں کرتے۔"[14]
قریۂ حرف میں تیرا عالی
ایک اپنا جدا احاطہ ہے[15]

علامہ اقبال بلند مقاصد کے حصول کے لیے ایسے فن کو تسلیم کرتے ہیں جس کی پرورش خون جگر سے کی گئی ہو :
رنگ و یا خشت و سنگ ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود[16]

نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر[17]

جلیل عالی سخن کو لہو کے تکلم کا نام دیتے ہیں:
عالی سخن لہو کے تکلم کا نام ہے
تجھ سے تو واجبی سی ریاضت نہیں ہوئی[18]

ان کے نزدیک سچا فنکار اس وقت جنم لیتا ہے جب فنکار اپنی ذات کو نچوڑ کر اپنے لہو کی تپش اور سچے جذبات کو لفظوں کا روپ دیتا ہے۔
واجبی سی ریاضت سے بڑا فن تخلیق نہیں ہو سکتا۔ فن ایسی عبادت ہے جس میں فنکار کو پوری طرح خود کو وقف کرنا پڑتا ہے ۔ معیاری فن خلوص ، مشقت اور جمالیاتی روانی سے لبریز ہوتا ہے۔
علامہ اقبال شاعری کی اہمیت بیان کرتے ہیں:
" شاعری دراصل ساحری ہے اور اس شاعر پر حیف ہے جو قومی زندگی کی مشکلات و امتحانات میں دلفریبی کی شان پیدا کرنے کی بجائے فرسودگی و انحطاط کو صحت اور قوت کی تصویر بنا کر دکھا دے اور اس طور پر اپنی قوم کو ہلاکت کی طرف لے جائے ۔ اس کا تو فرض ہے کہ قدرت کی لازوال دولتوں میں سے زندگی اور قوت کا جو حصہ اسے دکھایا گیا ہے۔ اس میں اوروں کو بھی شریک کرے نہ یہ کہ اٹھائی گیرہ بن کر جو رہی سہی پونجی ان کے پاس ہے اس کو بھی ہتھیالے۔"[19]
اسی مقصدیت کی طرف علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں بھی اشارہ کیا ہے:
قوم گو یا جسم ہے ، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفل نظم حکومت ، چہرۂ زیبا ئے قوم
شاعر رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ[20]

اس ضمن میں جلیل عالی لکھتے ہیں:
تم بجھاتے ہو تو ہم لوگ جلاتے ہیں چراغ
وہ وتیرہ ہے تمھارا یہ وظیفہ اپنا[21]

آسماں دسترس میں ہیں لیکن
اپنی ترجیح اپنی دھرتی ہے
اصل نکتے پہ رکھ نظر عالی
ورنہ سارا بیان بھرتی ہے[22]

علامہ اقبال شاعر ی کو تخلیقی عمل قرار دیتے ہیں۔ وہ تقلید کے قائل نہ تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیقی استعداد عطا فرمائی ہے ۔ اقبال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فطرت کو تخلیق کیا ہے ۔ مگر انسان اپنے ہنر وفن کو کام میں لا کر اسے مزید سنوارتا ہے ۔ اقبال نے انسان کی اس تخلیقی صلاحیت کو اپنے کلام میں بیان کیا ہے :

علم و فن از پیش خیزانِ حیات
علم و فن از خانہ زاردان حیات(23)

ترجمہ : علم و فن زندگی کے خدمت گار اور غلام ہیں جن کا مقصد زندگی کو سنوارنا اور خودی کو مستحکم کرنا ہے نہ کہ یہ خود کوئی منزل مقصود ہیں ۔

جلیل عالی اپنے مضمون "تخلیق و تنقید اور ہمارے فکری رویے" میں بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ فن کار اپنی تخلیق کی مرکزی معنویت کو سامنے رکھے ۔

جلیل عالی اس عدم توازن کی نشان دہی کرتے ہیں جہاں فن کار مرکزی خیال کو اہمیت د ینے کی بجائے محض متداول فکری کلامیوں اور تکرار خیالات میں الجھ کر رہ جاتا ہے ۔ وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ ایک سچا تخلیق کار وہی ہے جو اپنی تخلیقات کے ذریعے مرکزی خیالات اور معانی کے برعکس نقطہ نظر کو پورے شدو مد کے ساتھ پیش کرے ۔ یعنی تخلیق محض لفاظی نہ ہو بلکہ اس کے پیچھے ٹھوس فکری بنیاد اور نیا زاویہ موجود ہو ۔

شاعری صرف خیالات کی ترسیل نہیں
ایک تخلیق طلسمات ہے الفاظ کے ساتھ(24)

کیا ہے نذر جہاں ہم نے جو سرِ قرطاس
یہ نقدِ حرف نہیں دل نکال کر دیا ہے(25)

شاعری محض محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک فطری آواز ہے جسے عام لوگ صرف بنا بنایا سفر سمجھتے ہیں لیکن اس کے پیچھے شاعر کی جگر کاوی ہوتی ہے ۔ اس ضمن میں علامہ اقبال اپنے ایک خط بنام مولانا گرامی میں لکھتے ہیں:

"یہ فغان فطرت ہے ، ادھر کسب وآورد ۔ اس جگر کاوی کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا سکتے۔ ان کے سامنے شعر بنا بنایا آتا ہے ۔ وہ اس روحانی اور لطیف کرب سے آشنا نہیں ہو سکتے۔ جس نے الفاظ کی ترتیب پیدا کی۔"(20)

ناداں ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
اسباب ہنر کے لیے لازم ہے تگ و دو(27)

ادب بنیادی طور پر الفاظ پر مبنی ہوتا ہے ۔ تجربات اور کوشش اظہار کے باہمی تعلق سے فن نمودار ہوتا ہے ۔عبدالمجید سالک "ذکر اقبال" میں لکھتے ہیں:

" ہر شخص کو طبیعت آسمان سے ملتی ہے اور زبان زمین سے ۔ اگر آپ کی طبیعت شعر گوئی کے لیے موزوں ہے تو آپ خود بخو د اس پر مجبور ہو ں گے۔"(28)

اس ضمن میں جلیل عالی کہتے ہیں:

سخن کو سونپتے ہو کیسے کیسے انگ عالیؔ
کہیں اقبالتے ہو اور کہیں پر میرتے ہو

ہے ذرا اور سی احساس کہانی اپنی
سو ذرا اور سا انداز بیان لائی ہے(30)

کبھی اک بوند بحرائی گئی ہے
کبھی اک بحر قطرایا گیا ہے(31)

شاعر کا مقام و مرتبہ شاعری کی طرح نہایت بلند ہے ۔ علامہ اقبال شاعر کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شعر را مقصود گر آدم گری است
شاعری ہم وارث پیغمبری است(32)

علامہ اقبال نے اپنے مضمون ""اسرارِ خودی اور تصوف " میں شعر و شاعر کے مقاصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

"ضروری اور اعلیٰ اعتبار سے کسی شاعر کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے کوئی معیار ہونا چاہیے میرے نزدیک وہ معیار یہ ہے کہ اگر کسی شاعر کے اشعار اغراض زندگی میں ممد ہیں تو وہ شاعر اچھا ہے اور اگر اس کے اشعار زندگی کے منافی ہیں یا زندگی کی قوت کو کمزور اور پست کرنے کا میلان رکھتے ہیں تو وہ شاعر خصوصاً قومی اعتبار سے مضرت رساں ہیں۔ "

جلیل عالی کہتے ہیں:

در و بست جہاں میں دیکھتے ہیں سقم کچھ عالی
اور اپنی سوچ کا اک نقشۂ اصلاح رکھتے ہیں(34)

جھیل صورت سُلا نہ سوچوں کو
بن سمندر سا جاگتا پانی(35)

ہم اہلِ حرف کو بھی مصلحت خاموش رکھے
تو پھر کس کام کی عالی ہنر کاری ہماری(36)

عالی ایک مسافت سب کی
لیکن اپنا اپنا رستہ(37)

فرمائشی شعر کہنے کے حوالے سے علامہ اقبال اپنے ایک خط بنام سید مبارک شاہ جیلانی میں لکھتے ہیں:
''افسوس کہ میں آپ کے تعمیل ار شاد سے قاصر ہوں ۔ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فرمائشی اشعار کیوں کر لکھے جا سکتے ہیں۔''(38)
اسی ضمن میں جلیل عالی اپنے مضمون ''میرا فکری و تخلیقی عمل'' میں لکھتے ہیں:
'' میں زبردستی شعر کہنے کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے دوسرے شعرا کی بھی ایسی ہی شاعری اچھی لگتی ہے جو فنی دسترس اور استادانہ مہارت کے شعوری مظاہرے کی بجائے حقیقی تخلیقی واردات کا فطری ثمر ہو۔''(39)
اک اپنا رنگ اک اپنی امنگ ہو عالی
کسی کے لفظ کسی کے خیال کیا مطلب(40)

کسی زندہ کہانی کا قرینہ کیا بنے گی
عبارت کھوکھلے الفاظ کے انبار والی
تمثیل میں مزے ہی کا کردار کر لو
نشانی ہو کوئی تو ہستی بیدار والی(41)

شاعری کی فضیلت کے ضمن میں اقبال بیان کرتے ہیں:
''شعر کا کمال بعض اوقات لوگوں پر برا اثر مرتب کرتا ہے ۔کسی قوم کی زندگی کے موقوف علیہ چیزیں محض شکل و صورت نہیں ہیں بلکہ جو چیز حقیقتاً قوم کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں وہ تخیل ہے۔ جو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ بلند نظریات ہیں جن کو وہ اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ قومیں شعراء کی دستگیری سے پیدا ہوتی ہیں اور اہل سیاست کی پاسداری سے نشوونما پاکر مر جاتی ہیں۔ پس میری خواہش ہے کہ افغانستان کے شعراء اور انشاپرداز اپنے ہم عصروں میں ایسی سوچ پھونکیں جس سے وہ اپنے آپ کو پہچان سکیں ۔ ''(42)
اے اہلِ نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصود نظر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا(43)

نغمہ گر معنی ندارد مردہ ایست
سوز اور از آتش افسردہ ایست(44)

ترجمہ: اگر نغمہ گر کے نغمے میں کوئی گہرا مطلب یا سوز و گداز نہ ہو تو وہ بالکل مردہ ہے اور اس کا جوش و خروش ایسی آگ کی مانند ہے جو ٹھنڈی پڑ چکی ہو ۔
اعلیٰ شاعری کے لیے صرف لفظی مہارت ہی درکار نہیں ہوتی بلکہ گہرا شعور، حکمت، تہذیب، حسن فکر اور داخلی سچائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے ۔
جلیل عالی کہتے ہیں:
شعور حکمت و تہذیب تو روح سخن ہے
بیاں کا روگ ہے پر شاعری کا وعظ ہونا(45)

بس لفظ جوڑنے کا ہنر شاعری نہیں
اندر بھی حسن ہو تو سخن دلبربا بنے(46)

لانا ہے اک ہوئے گریزاں گرفت میں
بس گردِ حرف و صوت اڑانا نہیں ہمیں

فن کا فسوں فزوں ہے بہت اس کے فیض سے
اک حسن کا جنوں کوئی طعنہ نہیں ہمیں(47)

ہمارے ذہن کا عکس ہی چیزوں کو حسن بخشتا ہے۔ حسن چیزوں میں پوشیدہ نہیں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کے لیے اس میں کوئی کشش نہ ہو ۔ تخیل میں جتنی لطافت اور بلندی ہو گی وہ پیکر اتنا ہی واضح اور ارفع ہوگا۔

دلبری بے قاہری جادوگری است
دلبری با قاہری پیغمبری است[48]

ترجمہ: دلبری قاہری کے بغیر جادوگری ہے اور دلبری قاہری کے ساتھ پیغمبری ہے ۔
ایسا حسن جس میں اپنی حفاظت کے لیے قوت نہ ہو تو ایسا حسن دلفریبی کے لیے تو کافی ہو سکتا ہے لیکن صحیح معنوں میں حسن نہیں ہو سکتا ۔
جلیل عالی کہتے ہیں:
عالی جمالِ شعر میں اتنا اثر تو ہو
بجلی سی کوند جائے کوئی جسم و جان میں[49]

اس حسن بے مثال کے شایاں نہیں ہوا
عالی ذرا کچھ اور بھی دل پہ کام ہو[50]

فن اپنے عہد کے رسم و رواج کی عکاسی کرتا ہے ۔ اسی لیے فن میں عبادت ، روایات ، مذہبی اثرات کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ فن میں تنوع کے لیے احساسات ، جذبات اور تجربات نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور یہ سب اپنے ماحول ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔
اس ضمن میں علامہ اقبال کہتے ہیں:
”اخلاق اور مذہب کے اصول و فروغ کی تلقین کے لیے موجودہ زمانے کے واعظ کو تاریخ ، اقتصادیات اور عمرانیات کے حقائق عظیمہ سے آشنا ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے لٹریچر اور تخیل میں پوری دسترس رکھنی چاہیے۔“[51]
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہوگا[52]

اقبال کے نزدیک تہذیب کی بقا علم ، حکومت کے ساتھ سوزِ دروں میں پوشیدہ ہے ۔ وہ مسلمانوں کو اندھی تقلید کی بجائے اپنی اصل اور اپنی تاریخ سے رشتہ جوڑنے کا مشورہ دیتے ہیں تا کہ ایسی تہذیب جنم لے جو علم کے ساتھ امن اور انسانیت کی علم بردار ہو ۔
اس ضمن میں جلیل عالی لکھتے ہیں:
میراثِ شرافت سے گراں بار ہیں بچے
ہر نقشِ قدم جیسے کٹہرا کوئی ٹھہرا[53]

کسی تہذیب کے تب آخری دن ہوتے ہیں
خوبی خیر بھی جب وجہِ خطر ہو جائے[54]

جب تک کلام میں خلوص دل اور عشق کی تپش شامل نہ ہو وہ بے معنی اور بے کیف رہتا ہے ۔ شاعری محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ اس کی اصل روح وہ تڑپ اور جذبہ ہے جو انسان کے دل میں موجود ہوتا ہے۔
اقبال کہتے ہیں:
لطف کلام کیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
بسمل نہیں ہے تو ، تو تڑپنا بھی چھوڑ دے[55]

عزیز تر ہے متاعِ امیرو سلطان سے
وہ شعر جس میں بجلی کا سوز و براقی[56]

شعری محاسن کی طرف جلیل عالی اشارہ کرتے ہیں:
عالی طلوع فن کی نشانی یہی تو ہے
لفظوں میں ان کہی کا اثر جاگنے لگے[57]

گزرا ہے کسی دشتِ بلا سے دلِ وحشی
کچھ حرفِ سخن داد کی تفسیر ہوئے ہیں[58]

عالی شعر ہو یا افسانہ یا چاہت کا تانا بانا
لطف ادھورا رہ جاتا ہے پوری بات بتا دینے سے [59]

کسی فن پارے کا پر سوز ہونا اور دل گداز ہونا اقبال کے نزدیک تخلیقِ شعر کا مقصد ہے ۔ اگر شاعری با مقصد نہیں تو وہ لفظوں کا ڈھیر ہے :
نفسِ گرم کی تاثیر ہے ، اعجازِ حیات
ترے سینے میں اگر ہے تو میسحائی کر[60]

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہِ شاعر رنگیں نوا میں ہے جادو(61)

اسی ضمن میں جلیل عالی بیان کرتے ہیں:
کرو ہزار جتن لفظ ٹھیکری ہی رہیں
اگر نہ حسنِ دگر شاملِ ہنر ہو جائے(62)

علامہ اقبال کا تصور فن محض جمالیاتی لطف اندوزی کا نام نہیں بلکہ حیاتِ انسانی کی تعمیر نو اور خودی کے ارتقا کا ایک فعال ذریعہ ہے ۔ جلیل عالی نے اپنے تنقیدی مقالات اور ادبی شعور کے ذریعے اقبال کے اس تصورِ فن کو عصر حاضر کے تناظر میں ایک نئی جہت عطا کی ہے ۔
اقبال کا تصورِ فن عشق اور عمل کی بنیاد رکھتا ہے تو جلیل عالی کی تعبیرات اس بنیاد پر ا یک جدید علمی عمارت قائم کرتی ہیں ۔ اُنھوں نے اقبال کے فکری سرمائے کو عصرِ حاضر کی ادبی اور سماجی صورتِ حال سے جوڑ کر اسے ایک زندہ اور متحرک روایت کے طور پر پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

References

1. محمد عبداللہ قریشی ، روحِ مکاتیبِ اقبال ، اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور ، 1971ء ، ص:199
2. ایضاً،ص:184
3. ایضاً،ص: 205
4. ایضاً،ص:213
5. ایضاً،ص:570
6. پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی (مرتب) ، شرح کلیات اقبال (فارسی) ، مکتبہ دانیال ، لاہور ، ص:527
7. اقبال ، کلیاتِ اقبال (اُردو) ، اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور ، 2009ء ،ص:372
8. جلیل عالی ، شعری دانش کی دھن میں ، حرف اکادمی ، راولپنڈی ، 2020ء ،ص: 170
9. ایضاً،ص:194
10. جلیل عالی ، آگے ہمارا خوابیہ ہے ، فرہاد پبلی کیشنز ، راولپنڈی ، 2024ء ،ص: 184
11. جلیل عالی ، خواب دریچہ ، امپرنٹ آفسٹ پرنٹرز ، لاہور ، 1985ء ،ص:133
12. ایضاً ،ص: 92
13. جلیل عالی ، شعری دانش کی دھن میں ،ص:213
14. ایضاً،ص: 229
15. جلیل عالی ، آگے ہمارا خوابیہ ہے ، فرہاد پبلی کیشنز ، راولپنڈی ، 2024ء ،ص: 195
16. اقبال ، کلیاتِ اقبال(اردو) ، ص: 419
17. ایضاً،ص: 428
18. جلیل عالی ، آگے ہمار ا خوابیہ ہے ، ص: 187
19. سید عبدالواحد معینی (مرتب) ، مقالاتِ اقبال ، طفیل آرٹ پرنٹرز ، لاہور ، 1982ء ،ص:229
20. اقبال ، کلیاتِ اقبال (اُردو) ، ص: 93
21. جلیل عالی ، آگے ہمارا خوابیہ ہے ، ص: 190
22. ایضاً،ص:183
23. پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی (مرتب) ، شرح کلیات اقبال (فارسی) ، مکتبہ دانیال ، لاہور ، ص:37
24. جلیل عالی ، عرضِ ہنر سے آگے ، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد ، 2007ء ،ص:106
25. ایضاً،ص: 86
26. روح مکاتیبِ اقبال ،ص: 213
27. کلیاتِ اقبال (اُردو) ،ص:673
28. عبدالمجید سالک ، ذکرِ اقبال ، بزم اقبال ، لاہور ، 1993ء ،ص: 261
29. جلیل عالی ، ایک لہر ایسی بھی ، فرہاد پبلی کیشنز ، راولپنڈی ، 2023ء ، ص: 14
30. ایضاً،ص: 15
31. ایضاً،ص:17
32. شرح کلیاتِ اقبال (فارسی) ، ص: 708
33. مقالاتِ اقبال ،ص: 20
34. جلیل عالی ، شوق ستارہ ، گورا پبلشرز ،اسلام آباد ، 1998ء ،ص: 32
35. ایضاً،ص: 64
36. ایضاً،ص: 110
37. ایضاً،ص: 122
38. روحِ مکاتیبِ اقبال ،ص: 688
39. جلیل عالی، عرضِ ہنر سے آگے ، دوست پبلی کیشنز ، اسلام آباد ، 2007ء ،ص:18
40. ایک لہر ایسی بھی ،ص: 56
41. ایضاً،ص: 76
42. مقالاتِ اقبال ، ص: 260
43. کلیاتِ اقبال (اردو)، ص: 630

44. کلیاتِ اقبال(فارسی) ،ص: 648
45. ایک لہر ایسی بھی ،ص: 85
46. ص: 69
47. ص: 81
48. کلیاتِ اقبال (فارسی) ، ص:660
49. ایک لہر ایسی بھی ،ص: 121
50. ایضاً،ص: 127
51. مقالاتِ اقبال ،ص: 179
52. کلیاتِ اقبال (اردو) ، ص: 166
53. شوق ستارہ ، ص: 70
54. آگے ہمارا خوابیہ ہے ، ص: 26
55. کلیاتِ اقبال (اُردو) ،ص:133
56. ایضاً ،ص: 393
57. خواب دریچہ ،ص: 13
58. شوق ستارہ ،ص: 148
59. عرضِ ہنر سے آگے ،ص: 80
60. کلیاتِ اقبال (اردو) ،ص:311
61. ایضاً ،ص: 352
62. ایک لہر ایسی بھی ،ص: 82